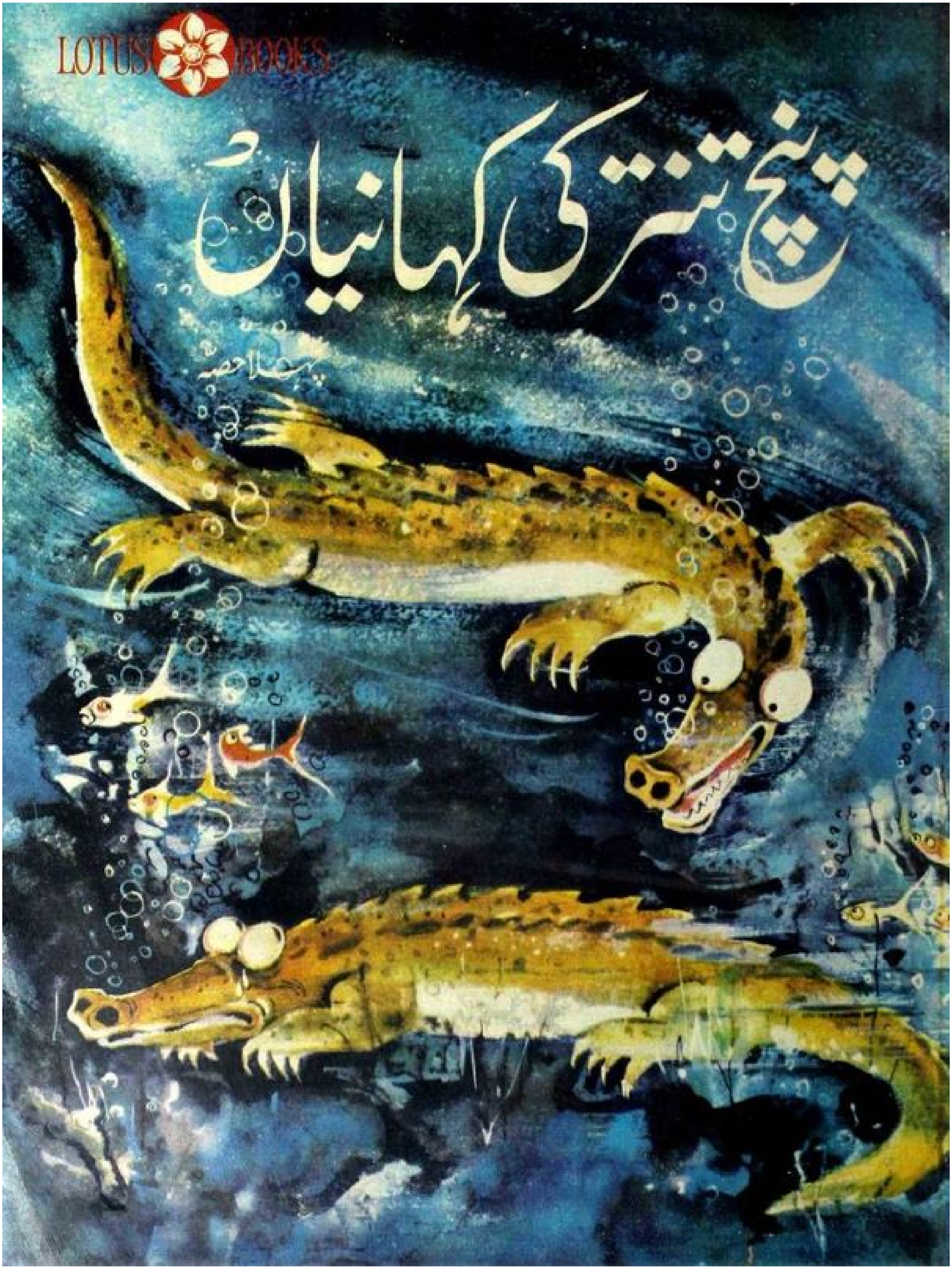

LOTUS BOOKS
پنچ تنتر کی کہانیاں
پہلا حصہ

پنچ تنتر کی کہانیاں

پہلا حصہ

کہانیاں

بندر اور مگرمچھ	۶
چالاک خرگوش	۱۸
دھوکے باز سارس	۳۰
کوّے اور سانپ	۴۰
گویّا گدھا	۵۲
باتونی کچھوا	۶۲

مصنّف : شیو کمار

آرٹسٹ : پُلک بسواس

ترجمہ : اطہر پرویز

قیمت : ——— ۵ روپے ۷۵ پیسے

بار اوّل : ——— ۱۹۷۳

تعداد : ——— ۳ ہزار

پبلشرز : چلڈرنس بُک ٹرسٹ ، نہرو ہاؤس ، ۴ بہادر شاہ ظفر مارگ نئی دہلی

برائے ترقی اُردو بورڈ ، وزارتِ تعلیم ، حکومت ہند

پرنٹر : ——— اِندر پرستھ پریس ، نئی دہلی

پنچ تنتر کی کہانیاں

پہلا حصہ

کہانیاں

بندر اور مگرمچھ	۶
چالاک خرگوش	۱۸
دھوکے باز سارس	۳۰
کوّے اور سانپ	۴۰
گوّیا گدھا	۵۲
باتونی کچھوا	۶۲

مصنّف : شیوکمار

آرٹسٹ : پُلک بسواس

ترجمہ : اطہر پرویز

قیمت : ―――― ۵ روپے ۷۵ پیسے

بار اوّل : ―――― ۱۹۷۳

تعداد : ―――― ۳ ہزار

پبلشرز : چلڈرنس بُک ٹرسٹ، نہرو ہاؤس، ۴ بہادرشاہ ظفر مارگ نئی دہلی
برائے ترقّی اُردو بورڈ، وزارتِ تعلیم، حکومت ہند

پرنٹر : ―――― اِندر پرستھ پریس، نئی دہلی

بندر اور مگرمچھ



پیش لفظ

مجھے مسرت ہے کہ چلڈرن بُک ٹرسٹ پہلی بار پنچ تنتر کا پہلا حصہ رنگین تصویروں کے ساتھ شائع کر رہا ہے۔ ہمارے ملک میں اس طرح کی کم قیمت کتاب وسیع پیمانے پر پہلی بار شائع ہو رہی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ تمام بچّے اور ان کے والدین اس کتاب کو پسند کریں گے۔ میری خواہش ہے کہ یہ کتاب مقبول ہو۔

چلڈرن بُک ٹرسٹ نے بہت سی کتابیں چھاپنے کا کام شروع کیا ہے چنانچہ یہ عوام اور حکّام دونوں ہی کے تعاون اور تعریف کا مستحق ہے۔

دستخط

ذاکر حسین

نائب صدر جمہوریہ ہند

نئی دہلی

۲۸ ستمبر ۱۹۶۵ء

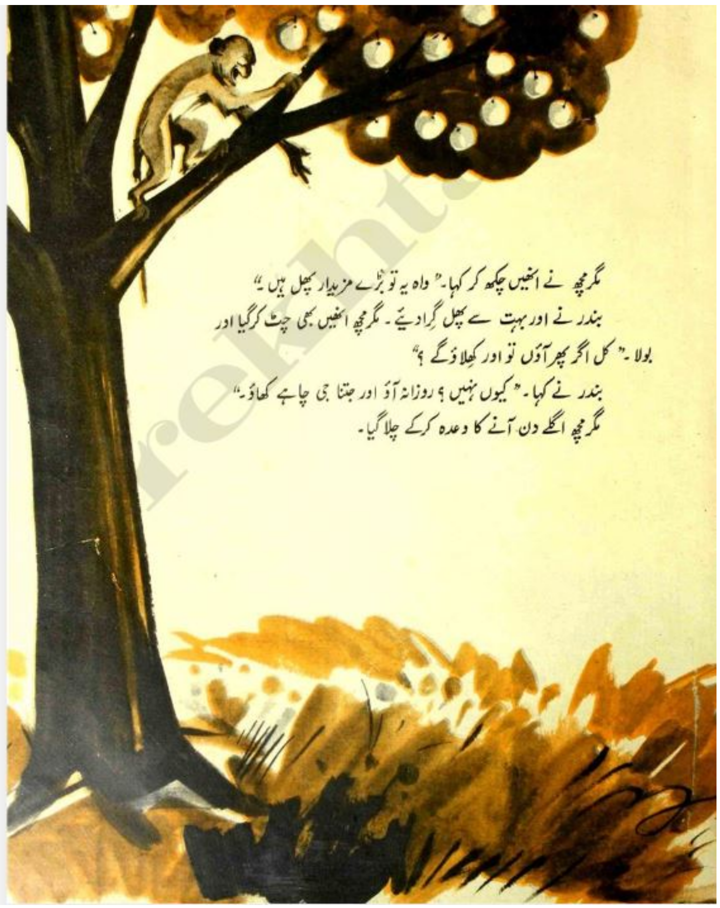
ایک ندی کے کنارے، ایک بہت بڑے پیڑ پر ایک بندر رہتا تھا۔ یہ پیڑ سدا بہار تھا۔ سال بھر پھل دیتا تھا۔ یہ پھل بڑے بھی ہوتے تھے اور رسیلے بھی۔ بندر خوب مزا لے لے کر ان کو کھاتا اور عیش کرتا۔ وہ اکیلا اپنے دن ہنسی خوشی گذارتا۔

ایک دن ایک مگرمچھ تیرتا ہوا ندی کے کنارے آیا۔ بندر نے اس سے پوچھا۔ "تم کون ہو بھائی اور کہاں سے آرہے ہو؟"

مگرمچھ نے کہا۔ "میں مگرمچھ ہوں۔ بڑی دور سے آیا ہوں۔ میں تو دن بھر کھانے کی تلاش میں گھومتا رہتا ہوں۔"

بندر نے کہا۔ "ہمارے یہاں تو کھانے کی کوئی کمی نہیں۔ اسی پیڑ پر ڈھیروں پھل ہوتے ہیں۔ تم بھی چکھ کر دیکھو۔ تم کو اچھے لگیں تو میں اور دوں گا اور جتنا جی چاہے کھاؤ۔" یہ کہہ کر بندر نے کچھ پھل توڑ کر مگرمچھ کی طرف پھینکے۔





مگرمچھ نے انھیں چکھ کر کہا۔ "واہ یہ تو بڑے مزیدار پھل ہیں۔"
بندر نے اور بہت سے پھل گرادیئے۔ مگرمچھ انھیں بھی چٹ کرگیا اور بولا۔ "کل اگر پھر آؤں تو اور کھلاؤ گے؟"

بندر نے کہا۔ "کیوں نہیں؟ روزانہ آؤ اور جتنا جی چاہے کھاؤ۔"
مگرمچھ اگلے دن آنے کا وعدہ کرکے چلا گیا۔

دوسرے دن مگرمچھ پھر آیا۔ اس نے پھر پیٹ بھرکر پھل کھائے اور بندر سے خوب مزے مزے کی باتیں کرتا رہا۔ بندر اکیلا تو تھا ہی۔ اسے ایک دوست مل گیا۔ وہ بہت خوش ہوا۔

اب تو مگرمچھ روز آنے لگا۔ دونوں پیٹ بھر کر پھل کھاتے اور بڑی دیر تک بات چیت کرتے رہتے۔

ایک دن یوں ہی باتوں باتوں میں بندر نے کہا۔ "مگرمچھ بھائی! دنیا میں مَیں اکیلا ہوں — اکیلا —— میرا کوئی بھی نہیں ہے ——"

مگرمچھ نے بات کاٹ کر کہا۔ "بندر بھائی! میں تو اکیلا نہیں ہوں۔ میرے تو ایک بیوی بھی ہے جو گھر پر رہتی ہے۔ میرا گھر ندی کے دوسرے کنارے پر ہے۔"
بندر نے کہا۔ "تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا؟ تم نے کہا ہوتا تو میں پہلے ہی بھابی کے لئے کچھ بھیجتا۔"

جب مگرمچھ جانے لگا تو بندر نے اس کی بیوی کے لئے تھوڑے سے پھل ساتھ کردیئے۔ مگرمچھ کی بیوی کو یہ رسیلے پھل بہت پسند آئے۔ اُس نے مگرمچھ سے کہا "میرے لئے روزانہ یہی رسیلے پھل لایا کرو۔"
بندر اور مگرمچھ میں بڑی گہری دوستی ہوگئی۔ مگرمچھ روزانہ بندر سے ملنے کے لئے جاتا —— خود بھی جی بھرکر پھل کھاتا اور اپنے ساتھ بھی لے جاتا۔
مگرمچھ کی بیوی کو یہ پھل تو اچھے لگتے تھے لیکن بندر کی دوستی ایک آنکھ نہ بھاتی تھی۔

ایک دن اس نے کہا ۔" مگرمچھ اور بندر میں بھی کہیں دوستی رہی ہے ۔
مگرمچھ تو بندر کو مار کر کھا جاتے ہیں ۔ تم ضرور جھوٹ بولتے ہو ۔"

مگرمچھ نے کہا ۔" میں سچ کہتا ہوں ۔ یہ بندر بہت اچھا ہے ۔ بے چارہ روزانہ تمہارے لئے اتنے بہت سے پھل بھیجتا ہے ۔ اگر بندر سے دوستی نہ ہوتی تو میں یہ پھل کہاں سے لاتا ۔ میں خود تو پیڑ پر چڑھ نہیں سکتا ۔"

مگرمچھ کی بیوی نے سوچا ۔" اگر یہ بندر روزانہ اتنے مزیدار پھل کھاتا ہے تو اس کا گوشت بھی بڑا مزیدار ہوگا ۔"

یہ سوچ کر اس نے مگرمچھ سے کہا ۔" ایک دن تم بھی اپنے دوست کو اپنے گھر آنے کی دعوت دو ۔ میرا بھی جی چاہتا ہے کہ اس سے ملوں ۔"



مگرمچھ نے کہا ۔" مگر وہ تو خشکی میں رہنے والا جانور ہے ۔ پانی میں کیسے تیرے گا ؟"

اس کی بیوی نے کہا ۔" تم اس کو دعوت تو دو ۔ بندر بڑا چالاک جانور ہے ۔ وہ یہاں آنے کی کوئی نہ کوئی ترکیب ضرور کرلے گا ۔"

مگرمچھ بندر کو دعوت نہیں دینا چاہتا تھا ۔ اس کی بیوی روزانہ اس سے پوچھتی ، " یہ بتاؤ بندر کو کب لاؤگے ۔" کوئی نہ کوئی بہانہ بناکر مگرمچھ اسے ٹال دیتا ۔

مگرمچھ کی بیوی نے سوچا کہ اس طرح کام نہیں چلے گا ۔ اس کی سمجھ میں ایک ترکیب آئی ۔ اس نے ایک دن اپنی بیماری کا بہانہ کیا ، اور مگرمچھ سے بولی ۔" میں بہت بیمار ہوں ۔ جب تک میں بندر کا کلیجہ نہیں کھاؤں گی ، اچھی نہ ہوسکوں گی ۔"

" بندر کا کلیجہ ؟" مگرمچھ نے حیران ہوکر پوچھا ۔

مگرمچھ کی بیوی نے کراہتے ہوئے کہا ۔" ہاں ــــ بندر کا کلیجہ ــــ اگر تم چاہتے ہو کہ میں بچ جاؤں تو اپنے دوست بندر کا کلیجہ لاکر مجھے کھلاؤ ۔"

مگرمچھ حیران رہ گیا ۔ اس نے بڑے غمگین لہجے میں کہا ۔" بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے ۔ وہی تو میرا ایک دوست ہے ۔ میں کیسے اس کے ساتھ دشمنی کروں ۔"

اس کی بیوی نے کہا ۔" اچھی بات ہے اگر تم کو اس کی دوستی زیادہ پیاری ہے ، تو تم اس کے پاس ہی جاکر رہو ۔ تم تو چاہتے ہو کہ میں مرجاؤں ۔"

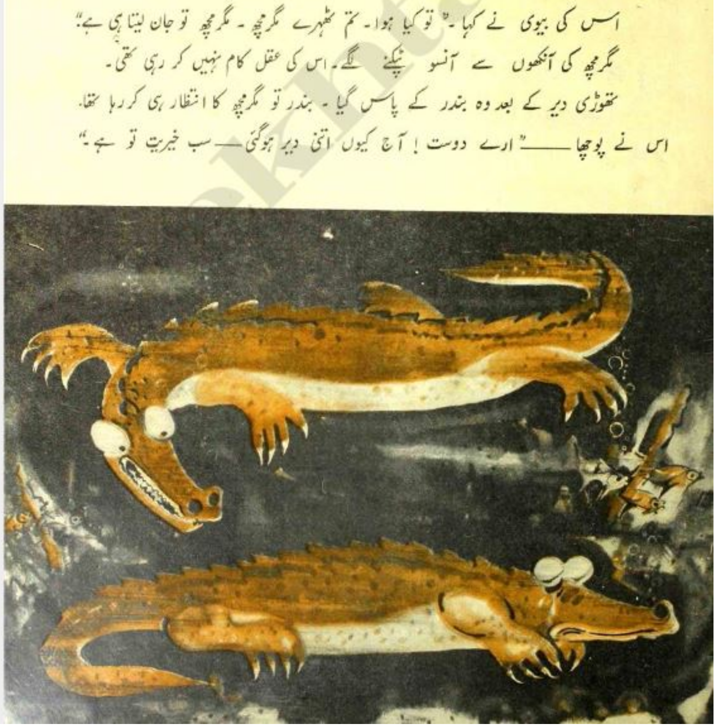
اب تو مگرمچھ بڑی الجھن میں پڑگیا ۔ یہ بات اس کی سمجھ میں نہیں آرہی تھی کہ کرے تو کیا کرے ۔ اگر وہ بندر کا کلیجہ لائے تو اس کا دوست مارا جائے گا اور نہیں لاتا تو اس کی بیوی

کی جان جاتی ہے ۔ وہ آنکھ میں آنسو بھرتے ہوئے بولا ۔" میرا ایک ہی تو دوست ہے ۔ میں اس کی جان کیسے لے سکتا ہوں ۔ تم ہی بتاؤ ۔"

اس کی بیوی نے کہا ۔" تو کیا ہوا ۔ تم ٹھہرے مگرمچھ ۔ مگرمچھ تو جان لیتا ہی ہے۔"

مگرمچھ کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے ۔ اس کی عقل کام نہیں کر رہی تھی ۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ بندر کے پاس گیا ۔ بندر تو مگرمچھ کا انتظار ہی کر رہا تھا ۔ اس نے پوچھا ـــــ" ارے دوست ! آج کیوں اتنی دیر ہوگئی ـــــ سب خیریت تو ہے ۔"



مگرمچھ نے کہا ۔" میرا اور میری بیوی کا جھگڑا ہوگیا ہے ۔ وہ تم سے ملنا چاہتی ہے ۔ وہ مجھ سے کہہ رہی تھی کہ میں تم کو اپنے ساتھ لیتا آؤں ۔ اگر تم میرے ساتھ نہیں چلوگے تو وہ مجھ سے بہت لڑے گی ۔"

بندر نے ہنس کر کہا ۔" بس اتنی سی بات ہے ۔ میں تو خود بھابی سے ملنا چاہتا ہوں ۔ لیکن سوال یہ ہے کہ میں پانی میں چلوں گا کیسے ۔ میں تو ڈوب جاؤں گا ۔"

مگرمچھ نے کہا ۔" تم اس کی فکر مت کرو ۔ میں تم کو اپنی پیٹھ پر بٹھا کر لے جاؤں گا ۔"

بندر چلنے کے لئے راضی ہوگیا ۔ وہ پیڑ سے اُترا اور اُچھل کر مگرمچھ کی پیٹھ پر سوار ہوگیا ۔

جب مگرمچھ ندی کے بیچوں بیچ پہنچا تو آگے جانے کے بجائے پانی میں نیچے اُترنے لگا ۔ بندر ڈر گیا اور بولا ۔" یہ کیا کر رہے ہو مگرمچھ بھائی ۔ ذرا اور نیچے اُتروگے تو میں مر جاؤں گا ۔"

مگرمچھ نے کہا ۔" بھائی بات یہ ہے کہ میری بیوی بہت بیمار ہے اور اس کا ایک ہی علاج ہے ۔ اگر اُسے بندر کا کلیجہ کھلاؤں گا ، تب ہی وہ بچے گی ۔ یہاں کوئی اور بندر تو ہے نہیں ۔ میں تم کو مار کر تمہارا کلیجہ اپنی بیوی کو کھلاؤں گا ۔"

اب تو بندر سمجھ گیا کہ بس چالاکی سے ہی اپنی جان بچائی جاسکتی ہے۔ اس نے کہا۔" میرے دوست ، یہ تم نے پہلے ہی کیوں نہیں بتایا ؟ میں تو بھابی کو بچانے کے لئے خوشی خوشی اپنا کلیجہ دے دوں گا ۔ لیکن وہ تو اُسی پیڑ پر رکھا ہے۔ میں اُسے وہیں رکھتا ہوں ۔ اِس وقت تو میں اُسے اپنے ساتھ لانا بھی بھول گیا۔ تم نے اُسی وقت کہا ہوتا تو میں لے آتا۔"



مگرمچھ نے کہا۔" چلو واپس چلیں ۔ پیڑ پر سے فوراً اپنا کلیجہ لے آنا ۔ اگر دیر لگی تو میری بیوی کی بیماری بڑھ جائے گی ۔"

مگرمچھ لوٹا اور بڑی تیزی سے تیرتا ہوا ندی کے کنارے پیڑ کے پاس پہنچا۔





جیسے ہی وہ کنارے پر پہنچا، بندر کود کر پیڑ پر چڑھ گیا، اور ہنس کر مگرمچھ سے بولا۔
”اے بیوقوفوں کے بادشاہ! جاؤ اپنے گھر جاؤ۔ اپنی بیوی سے کہنا کہ تم دنیا کے سب سے بڑے بیوقوف ہو۔ بھلا کہیں کوئی اپنا کلیجہ نکال کر الگ بھی رکھتا ہے۔“

چالاک خرگوش





ایک بہت بڑا گھنا جنگل تھا۔ اس میں ایک شیر رہتا تھا۔ وہ روزانہ شکار کے لئے جاتا اور جب جاتا تو ایک دو نہیں بلکہ کئی کئی جانوروں کا کام تمام کر دیتا۔ جنگل کے جانور اُس کی صورت سے کانپتے تھے اور ڈرتے تھے کہ اگر شیر اسی طرح شکار کرتا رہا تو ایک دن اِس جنگل میں کوئی بھی جانور زندہ نہیں بچے گا۔

جنگل کے سارے جانور بہت پریشان تھے۔ ہر ایک جانور سوچ رہا تھا کہ اس کے لئے ضرور کوئی نہ کوئی ترکیب کرنا چاہئے۔ ایک دن جنگل کے سب جانور ایک جگہ اکٹھا ہوئے اور اس بات پر غور کرنے لگے کہ کیا کریں۔ آخر انھوں نے طے کیا کہ خود شیر کے پاس چلیں اور اس سے پوچھیں کہ کیا کرنا چاہئے۔







اگلے دن کچھ جانور شیر کے پاس پہنچے ۔ شیر نے جو انھیں اپنے پاس آتے دیکھا تو اس نے سوچا کہ یہ تمام جانور میرا شکار بننے کے لئے آپ ہی چلے آ رہے ہیں ۔ وہ مارے خوشی کے غرّانے لگا ۔

شیر کے پاس پہنچ کر ان جانوروں کے لیڈر نے کہا " مہاراج ! ہم آپ کے پاس

یہ درخواست لے کر آئے ہیں کہ آپ ہمیں مارنے سے پہلے ہماری بات سُن لیں ۔ آپ راجا ہیں اور ہم آپ کی رعایا ۔ جب آپ شِکار کرنے نکلتے ہیں تو بہت سے جانور مارے جاتے ہیں ۔ ہماری تعداد دن بہ دن کم ہوتی جا رہی ہے ۔ اگر یہی ہوتا رہا تو ایک دن اِس جنگل میں بس آپ ہی آپ رہ جائیں گے ۔ لیکن مہاراج ! ہم چاہتے ہیں کہ آپ ہمیشہ زندہ رہیں ، اور ہمارے اوپر راج کرتے رہیں ۔ آپ سے یہ درخواست ہے کہ آپ شِکار کے لئے نہ نکلیں ، بس اپنے گھر پر ہی رہا کریں ۔ ہم خود آپ کے کھانے کے لئے روزانہ ایک جانور بھیج دیا کریں گے ۔ اس طرح آپ کو خود شکار کرنے کی تکلیف بھی نہیں ہوگی ، اور آپ کا کھانا گھر بیٹھے آپ کے پاس پہنچ جائے گا ۔ اس طرح راجا اور رعایا دونوں ہی چین سے رہ سکیں گے ۔



شیر نے سوچا کہ جانوروں کی بات میں سچائی تو ہے۔ اس نے ذرا دیر سوچا ، اور پھر بولا۔ "اچھا، میں تمہاری بات مان لیتا ہوں۔ لیکن یاد رکھنا، اگر کسی دن بھی میرے کھانے کے لئے ڈھنگ کا جانور نہیں آیا تو میں تم میں سے کسی ایک کو بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

جانوروں کے سامنے چارا بھی کیا تھا۔ وہ کرتے بھی تو کیا کرتے۔ انہوں نے شیر کی شرط مان لی اور چُپ چاپ اپنے گھر چلے گئے۔

اس دن سے جانوروں نے یہ قاعدہ بنالیا کہ روزانہ شیر کے لئے ایک جانور بھیج دیتے تھے۔ جنگل میں رہنے والے سب جانوروں میں سے ایک ایک جانور باری باری سے چھانٹا جاتا تھا۔ کچھ دنوں کے بعد خرگوشوں کی باری آگئی۔ ایک روز شیر کے کھانے کے لئے ایک ننھے سے خرگوش کو چھانٹا گیا۔ وہ خرگوش دیکھنے میں تو چھوٹا سا تھا،





لیکن تھا بڑا چالاک۔ اس نے سوچا کہ میں بھی کوئی بیوقوف ہوں جو مفت میں شیر کا نوالہ بنوں۔ اپنی جان بچانے کے لئے کوئی نہ کوئی ترکیب تو سوچنا ہی چاہیے، اور اگر ہوسکے تو کوئی ایسا کام کرنا چاہیے کہ جس سے میرا ہی نہیں اور سب کا بھی اس مصیبت سے پیچھا چُھٹ جائے۔ آخر اُس کی سمجھ میں ایک ترکیب آئی۔

خرگوش آہستہ آہستہ ٹہلتا ہوا بڑے اطمینان سے شیر کے گھر کی طرف چلا۔ جب وہ شیر کے پاس پہنچا تب کافی دیر ہوچکی تھی۔

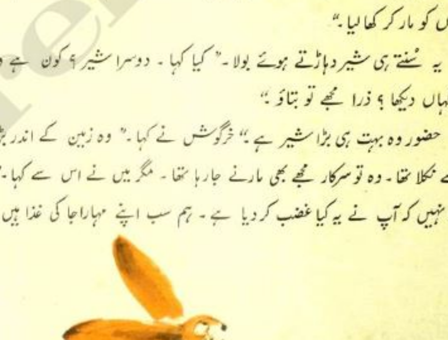
شیر کا مارے بھوک کے بُرا حال تھا۔ جب اُس نے دیکھا کہ ایک ننھّا سا خرگوش

چلا آرہا ہے تو مارے غصے کے اُس کا بُرا حال ہوگیا۔ وہ گرجتے ہوئے بولا۔" تم کو کس نے بھیجا ہے۔ ایک تو خود پدی سا ہے اور پھر اتنی دیر کے بعد آیا ہے۔ جن بیوقوفوں نے تم کو یہاں بھیجا ہے، میں اُن سب کو سبق سِکھاؤں گا۔ ایک ایک کا کام تمام نہ کیا تو میرا نام نہیں۔"

ننھے خرگوش نے بڑے ادب کے ساتھ جھک کر سلام کیا اور کہا۔" مہاراج! اگر آپ میری بات سُن لیں تو مجھے یا اور جانوروں کو الزام نہیں دیں گے۔ وہ تو خود جانتے ہیں کہ ایک چھوٹا سا خرگوش آپ کے لئے کافی نہیں ہے۔ اس لئے انھوں نے ایک نہ دو اکٹھا چھے خرگوش بھیجے تھے۔ لیکن راستے میں ہمیں ایک اور شیر مل گیا۔ اس نے ہم میں سے پانچ خرگوشوں کو مار کر کھا لیا۔"

یہ سُنتے ہی شیر دہاڑتے ہوئے بولا۔" کیا کہا۔ دوسرا شیر؟ کون ہے وہ۔ تم نے اسے کہاں دیکھا؟ ذرا مجھے تو بتاؤ۔"

حضور وہ بہت ہی بڑا شیر ہے۔" خرگوش نے کہا۔" وہ زمین کے اندر بڑے گہرے غار سے نکلا تھا۔ وہ تو سرکار مجھے بھی مارنے جا رہا تھا۔ مگر میں نے اس سے کہا۔" جناب! آپ کو پتہ نہیں کہ آپ نے یہ کیا غضب کر دیا ہے۔ ہم سب اپنے مہاراجا کی غذا ہیں۔ ان کے



کھانے کے لئے جا رہے تھے۔ لیکن آپ نے ان کا سارا کھانا چوپٹ کر دیا۔ آپ سوچیے کہ وہ کتنے بھوکے ہوں گے۔ ایسی باتیں برداشت نہیں کر سکتے۔ آپ کی خیر نہیں۔ اب وہ آپ کو زندہ نہ چھوڑیں گے۔"

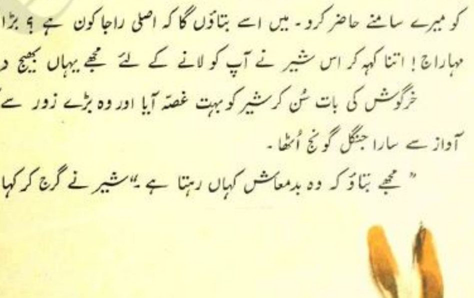
یہ سُن کر اس نے مجھ سے پوچھا۔" کون ہے وہ تمھارا راجا؟"

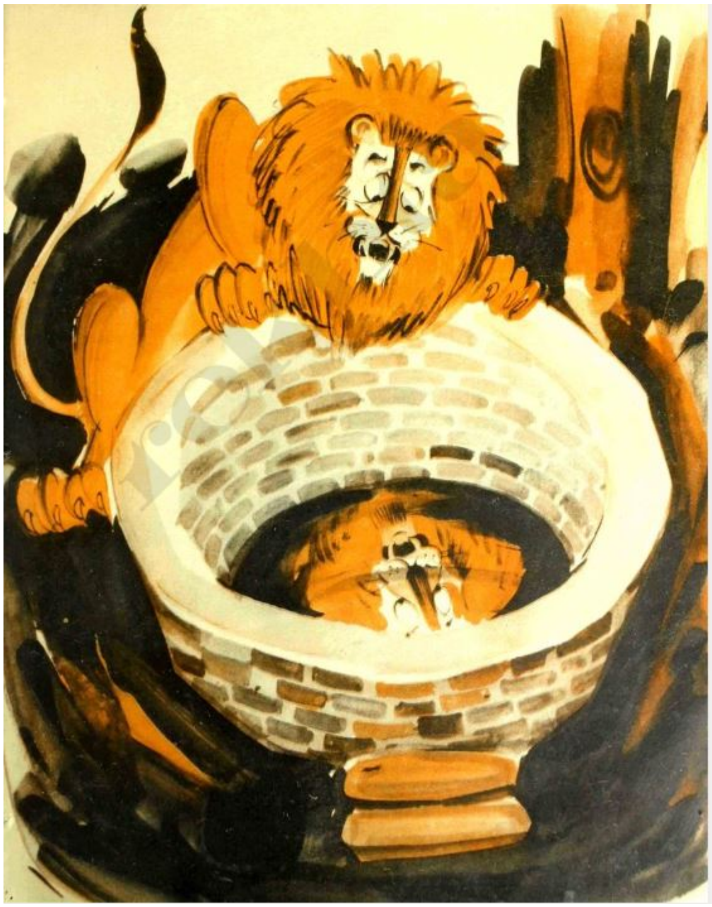
میں نے جواب دیا۔" جناب ہمارا راجا جنگل کا سب سے بڑا شیر ہے۔"

" سرکار! جیسے ہی میری زبان سے یہ بات نکلی، وہ مارے غصے کے لال پیلا ہوگیا اور بولا۔" ارے بیوقوف! اس جنگل کا راجا صرف میں ہوں۔ یہاں کے تمام جانور میری رعایا ہیں۔ میں اُن کے ساتھ جو چاہے سلوک کروں۔ جس منحوس کو تم اپنا راجا کہہ رہے ہو اس چور کو میرے سامنے حاضر کرو۔ میں اسے بتاؤں گا کہ اصلی راجا کون ہے؟ بڑا آیا راجا بننے والا۔ مہاراج! اتنا کہہ کر اس شیر نے آپ کو لانے کے لئے مجھے یہاں بھیج دیا۔"

خرگوش کی بات سُن کر شیر کو بہت غصہ آیا اور وہ بڑے زور سے گرجا! اس کی آواز سے سارا جنگل گونج اُٹھا۔

" مجھے بتاؤ کہ وہ بدمعاش کہاں رہتا ہے" شیر نے گرج کر کہا۔" جب تک میں





اُسے جان سے نہ مار ڈالوں گا، اس وقت تک مجھے چین نہیں مل سکتا۔"

"بہت اچھا حضور۔" خرگوش نے کہا۔ "موت ہی اس بدمعاش کی سزا ہے۔ اگر میرے ہاتھ پاؤں مضبوط ہوتے تو میں خود ہی اس کی کھال ادھیڑ دیتا۔"

"کِدھر چلنا ہے۔" شیر نے کہا۔ "مجھے فوراً بتاؤ کِدھر چلنا ہے۔"

"اس طرف آیئے مالک ——— اس طرف۔" خرگوش نے کہا۔ وہ آگے آگے راستہ دِکھاتا ہوا شیر کو ایک کنویں کی طرف لے گیا اور وہاں پہنچ کر بولا۔ "مہاراج! وہ بدمعاش شیر زمین کے اندر ایک قلعے میں رہتا ہے۔ ذرا ہوشیاری سے چلئے گا، جو دشمن گھات میں ہوتا ہے وہ بڑا خطرناک ہوتا ہے۔"

"میں اس سے نمٹ لوں گا۔" شیر نے کہا۔ "تم تو یہ بتاؤ کہ وہ کہاں ہے۔"



"پہلے جب میں نے اُسے دیکھا تھا تب وہ یہیں باہر کھڑا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو آتا دیکھ کر اپنے قلعہ میں گھُس گیا ہے۔ اِدھر آیئے سرکار۔ میں آپ کو دِکھاتا ہوں۔"

خرگوش نے کنویں کے اندر جھانک کر آہستہ سے کہا۔ "یہ ہے سرکار، آپ بھی دیکھ لیجئے۔"

شیر نے کنویں کے اندر جھانکا تو اسے پانی میں اپنی پرچھائیں دکھائی دی۔

اپنی پرچھائیں کو دیکھ کر شیر نے زور سے چیخ ماری۔ کنویں کے اندر سے اپنی ہی دہاڑنے کی آواز کو سمجھا کہ دوسرا شیر بھی دہاڑ رہا ہے۔ اپنے دشمن کو فوراً مار ڈالنے کے اِرادے سے اُس نے فوراً کنویں کے اندر چھلانگ لگائی۔

جیسے ہی اس نے چھلانگ لگائی وہ پہلے تو کنویں سے ٹکرایا پھر دھڑام سے پانی میں گرا اور ڈوب کر مرگیا۔ اس طرح چالاکی سے شیر کا خاتمہ کرکے ننھا خرگوش گھر لوٹا۔ اس نے جنگل کے جانوروں کو شیر کے مارے جانے کی کہانی سنائی۔ اپنے دشمن کے مارے جانے کی خبر سے سارے جنگل میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ جنگل کے تمام جانور نعرے لگانے لگے۔

"ننھا خرگوش زندہ باد ــــ ننھا خرگوش زندہ باد۔" ●



دھوکے باز سارس



کہتے ہیں کہ کسی تالاب کے کنارے ایک سارس رہتا تھا۔ اس تالاب میں بہت سی مچھلیاں تھیں۔ سارس خوب پیٹ بھر کر مچھلیاں کھاتا اور خوش رہتا تھا۔

اس طرح سارس کو وہاں کئی سال گذر گئے۔ سارس بوڑھا ہوگیا تھا۔ اب وہ آسانی سے مچھلیاں نہیں پکڑ سکتا تھا۔ ایک آدھ مچھلی ہاتھ بھی آجاتی تو اس سے اس کا پیٹ نہیں بھرتا تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ اس طرح تو وہ بھوکا مر جائے گا۔





آخر اس نے ایک ترکیب سوچی۔ وہ تالاب کے کنارے مُنھ بناکر چُپ چاپ کھڑا ہوگیا۔

تالاب کی مچھلیاں اور مینڈک حیران تھے کہ سارس اب مچھلیاں کیوں نہیں پکڑتا اور اتنا پریشان کیوں ہے۔ ایک کیکڑے نے اس کے پاس جاکر پوچھا۔ "کہو چچا، آج اتنے گُم سُم کیوں ہو؟ مچھلیاں نہیں پکڑو گے؟"

سارس نے کہا "کیا کروں بیٹا، بات ہی کچھ ایسی ہے۔ میں نے زندگی بھر اس تالاب کی مچھلیاں کھائی ہیں۔ یہ سوچ کر دُکھ ہوتا ہے کہ اب جلد ہی یہ مچھلیاں مرجائیں گی۔"

کیکڑے نے پوچھا۔ "کیوں چچا یہ مچھلیاں کیوں مرجائیں گی؟"

سارس نے کہا۔ "میں نے لوگوں کو یہ کہتے سُنا ہے کہ وہ اس تالاب میں مٹّی بھر دیں گے اور اب یہاں کھیتی کریں گے۔ اگر انھوں نے ایسا کیا تو یہاں ایک بھی مچھلی زندہ نہیں بچے گی۔"

جب مچھلیوں، کیکڑوں اور مینڈکوں نے سارس کی بات سُنی تو وہ ڈر گئے۔ اب سب مل کر سارس کے پاس گئے اور کہنے لگے "چچا! یہ تو تم نے بُری خبر سنائی۔ اب تم ہی اس مصیبت سے بچنے کی کوئی ترکیب بتاؤ۔"

سارس نے کہا۔ "یہاں سے تھوڑی دور پر ایک بہت گہرا تالاب ہے۔ اس کو یہ لوگ آسانی سے پاٹ نہیں سکتے۔ اگر تم چاہو تو میں تم لوگوں کو وہاں لے چلوں۔"



مچھلیوں نے کہا۔ "تمہارے علاوہ ہمارا کون ہے چچا۔ تم ہمیں اسی تالاب میں لے چلو۔"

سارس نے کہا۔ "تم سب کو لے جانا تو مشکل ہوگا، لیکن اپنی سی کوشش کروں گا۔"

مچھلیوں میں جھگڑا ہونے لگا۔ ہر ایک یہ چاہتی تھی کہ سب سے پہلے وہ جائے۔



سارس نے کہا۔ "تم لوگ جھگڑا مت کرو۔ میں تم سب کو باری باری وہاں پہنچا دوں گا۔ لیکن میں بوڑھا ہوگیا ہوں۔ ایک بار اُڑنے کے بعد مجھے تھوڑی دیر آرام کرنا ہوگا۔"

کچھ مچھلیوں کو چونچ میں دبا کر سارس اُڑا۔ لیکن کسی دوسرے تالاب میں لے جانے کے بجائے وہ انہیں ایک چٹان پر لے گیا اور مار کر کھا گیا۔

جب سارس نے خوب پیٹ بھر کر مچھلیاں کھالیں تو اسے نیند آگئی اور وہ سوگیا۔ جب وہ سوکر اُٹھا تو اسے پھر بھوک لگنے لگی۔ وہ پھر اس تالاب پر پہنچا تو کچھ اور مچھلیوں کو لے آیا۔ انہیں بھی اس نے اسی طرح اسی چٹان پر بیٹھ کر کھایا۔





اب تالاب میں تھوڑی سی مچھلیاں بچی تھیں۔ ان میں ایک کیکڑا بھی تھا۔ اس نے بھی سارس سے کہا۔" میری بھی جان بچاؤ۔ کسی طرح مجھے بھی یہاں سے لے چلو۔"

سارس نے سوچا " چلو ایک دن کیکڑے کا بھی ناشتہ کیا جائے۔ ذرا مُنھ کا مزا ہی بدلے گا۔ مچھلیاں کھاتے کھاتے تو جی بھر گیا ہے۔"

وہ کیکڑے کو لے کر اُڑا۔ راستے میں کیکڑے کو کہیں بھی کوئی تالاب نظر نہ آیا۔ اتنے میں اس نے دیکھا کہ سارس آگے جانے کی بجائے نیچے اُتر رہا ہے۔

کیکڑے نے پوچھا۔" چچا! یہاں تو کہیں پانی نہیں ہے۔ یہاں کیوں اُتر رہے ہو۔ وہ تالاب کہاں ہے جہاں تم مچھلیوں کو لے گئے ہو۔"

سارس نے ہنس کر کہا۔" وہ نیچے جو چٹّان نظر آرہی ہے، دیکھی تم نے—— میں تم کو وہیں لے جا رہا ہوں۔ ان مچھلیوں کو بھی اسی چٹّان پر لے گیا تھا۔"

کیکڑے کو وہ چٹان صاف نظر آرہی تھی۔ اس پر ہر طرف مچھلیوں کے کانٹے بکھرے پڑے تھے۔ کیکڑا ڈر گیا۔ وہ سمجھ گیا کہ سارس نے مچھلیوں کو مار کر کھالیا، اور اب اس کو بھی مارنے کے لئے لایا تھا۔ اس نے اپنے نکیلے پنجوں کو سارس کی گردن میں چبھو دیا۔ سارس نے اپنے پَر پھڑ پھڑائے اور گردن چھُڑانے کی کوشش کی۔ لیکن کیکڑے نے اسے نہیں چھوڑا۔ اس نے اپنے پنجوں سے اُس کی گردن کو اتنی مضبوطی سے جکڑ لیا کہ سارس کی گردن کٹ گئی اور وہ زمین پر گر پڑا۔

کیکڑا سارس کے کٹے سر کو گھسیٹتا ہوا اس تالاب میں پہنچا جہاں وہ رہتا تھا۔ مچھلیوں نے کیکڑے کو واپس آتے دیکھا تو پوچھنے لگے۔" کیا بات ہے کیکڑے بھیّا۔ تم لوٹ کیوں آئے۔ چچا سارس کہاں رہ گئے۔"



کیکڑے نے ہنس کر کہا۔ "چچا تو نہیں آئے۔ لیکن ہاں ان کی کھوپڑی ضرور لایا ہوں۔" اس نے مچھلیوں کو سارس کا سر دکھایا اور انہیں بتایا کہ کس طرح وہ ان کو دھوکا دے رہا تھا۔

اس دھوکے باز سارس سے چھٹکارا پاکر مچھلیاں بہت خوش ہوئیں اور کیکڑے کی تعریف کرنے لگیں۔

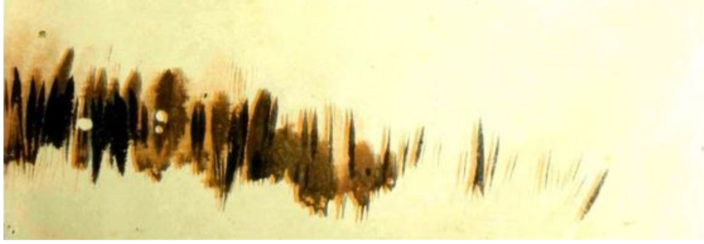


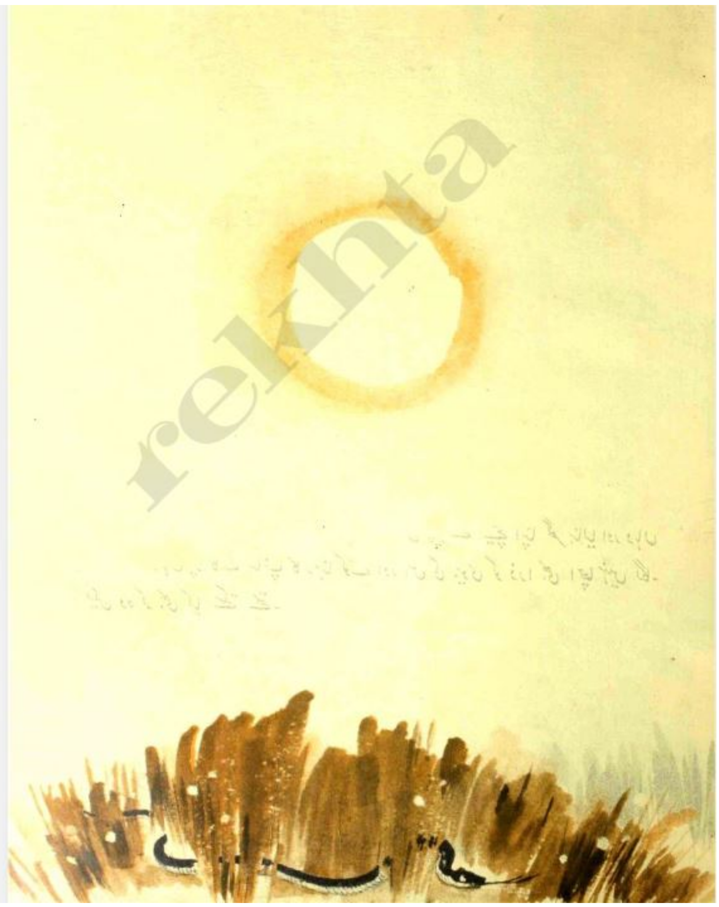
کوّے اور سانپ



کہتے ہیں کہ کسی برگد کے پیڑ پر ایک کوّے اور اس کی بیوی نے اپنا گھونسلا بنایا۔ یہ دونوں اپنے بچّوں سمیت اِس گھونسلے میں کئی سال سے رہتے تھے۔

ایک بار ایک بڑے سے کالے سانپ نے اسی پیڑ کے نیچے اپنا گھر بنالیا اور وہاں رہنے لگا۔ وہاں پر کالے سانپ کا رہنا کوّے اور اس کی بیوی کو ذرا بھی اچھا نہیں لگا۔ لیکن وہ کر بھی کیا سکتے تھے۔







کوّے کی بیوی نے انڈے دیئے۔ انڈوں میں سے بچّے نکلے۔ وہ دونوں بڑے پیار سے اپنے بچّوں کو پالنے لگے۔ ایک دن کوّا اور اس کی بیوی دونوں اپنے بچّوں کے لئے کھانا لینے گئے۔ اتنے میں کالا سانپ پیڑ پر چڑھ گیا۔ اس نے کوّے کے بچّوں کو مار کر کھالیا۔ جب وہ کھانا لے کر لوٹے تو اُن کے بچّے غائب تھے۔ وہ حیران رہ گئے۔ انہوں نے ایک ایک جانور سے پوچھا لیکن کوئی یہ نہ بتاسکا کہ بچّے کہاں گئے ہیں۔ دونوں خوب روئے، خوب روئے۔ پھر دونوں نے طے کیا کہ اگلی بار بچّوں کو اکیلا نہیں چھوڑیں گے۔



کئی مہینے گذر گئے۔ کوّے کی بیوی نے پھر انڈے دیئے۔ انڈوں سے بچّے نکلے۔ اس مرتبہ دونوں میاں بیوی اپنے بچّوں کی خوب اچھی طرح رکھوالی کرتے۔ اُن کی دیکھ بھال کرتے۔ اگر ایک دانا لینے جاتا تو دوسرا بچّوں کے پاس رہتا۔

ایک دن کوّے کی بیوی نے دیکھا کہ وہ سانپ دھیرے دھیرے رینگتا ہوا پیڑ پر چڑھ رہا ہے۔ وہ سانپ کو بھگانے کے لئے زور زور سے کائیں کائیں کرنے لگی۔ لیکن سانپ





رُکا نہیں وہ چڑھتا چلا گیا، یہاں تک کہ اوپر پہنچ گیا اور کوّے کے بچّوں کو مار کر کھا گیا۔

کوّے کی بیوی بےچاری بہت روئی۔ اس کا رونا دھونا سُن کر اور بہت سے کوّے آ پہنچے۔ سب نے مل کر سانپ پر حملہ کرنا چاہا۔ لیکن سانپ تو ان بچّوں کو کھا کر پہلے ہی جا چکا تھا۔

شام کو جب کوّا لوٹا اور اس نے سنا کہ کالا سانپ پھر بچّوں کو مار کر کھا گیا تو اسے بہت تکلیف ہوئی۔ کوّے کی بیوی نے کہا۔ "آؤ ہم لوگ اس پیڑ کو چھوڑ کر کہیں اور چلیں۔ اس بدمعاش کے پڑوس میں رہنا ٹھیک نہیں ہے۔"

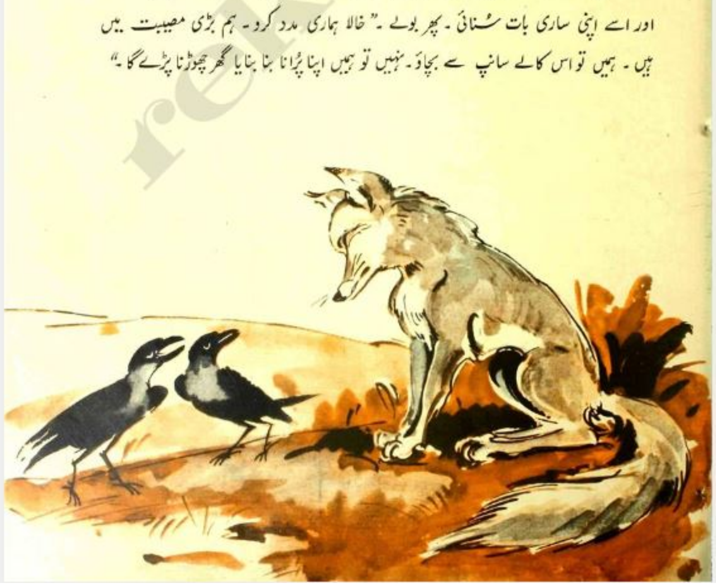
بچّوں کی موت کا کوّے کو بھی بڑا دُکھ ہوا۔ اس نے بیوی کو بہت سمجھایا پر وہ نہ مانی۔ وہ کسی طرح اس پیڑ پر کالے سانپ کے پڑوس میں رہنے کے لئے راضی نہ ہوئی۔

کوّے نے کہا۔ "ہم اتنے سال سے یہاں رہ رہے ہیں۔ اپنے پُرانے گھر کو چھوڑتے ہوئے مجھے بہت تکلیف ہوگی۔"

کوّے کی بیوی نے کہا۔" یہ تو ٹھیک ہے لیکن اس بدمعاش سانپ سے ہمیں کون بچائے گا۔"

کوّے نے کہا۔" ہم سانپ کو بھگانے کی کوئی نہ کوئی ترکیب ضرور سوچ لیں گے. خالا لومڑی پاس ہی تو رہتی ہیں۔ وہ بہت چالاک ہیں۔ چلو اُن سے رائے لیں۔ وہ کیا کہتی ہیں ؟"

یہ بات کوّے کی بیوی کی سمجھ میں بھی آگئی۔ دونوں خالا لومڑی کے پاس گئے اور اسے اپنی ساری بات سُنائی۔ پھر بولے۔" خالا ہماری مدد کرو۔ ہم بڑی مصیبت میں ہیں۔ ہمیں تو اس کالے سانپ سے بچاؤ۔ نہیں تو ہمیں اپنا پُرانا بنا بنایا گھر چھوڑنا پڑے گا۔"



لومڑی خالا نے کچھ سوچنے کے بعد کوّے سے کہا۔" نہیں تم کو اپنا گھر کبھی نہ چھوڑنا چاہیئے۔ میں نے اس سانپ کو مارنے کی بہت اچھی ترکیب سوچی ہے۔ کل سویرے راج محل کی شہزادیاں ندی میں نہانے جائیں گی۔ وہ اپنے کپڑے اور زیور اتار کر ندی میں اُتریں گی۔ ان کپڑوں اور گہنوں کی دیکھ بھال کے لئے اُن کے ساتھ نوکر بھی ہوں گے۔ تم دونوں سویرے سویرے جاکر پہلے سے دیکھ لینا کہ وہ اپنے زیور کہاں رکھتی ہیں۔ جب وہ اپنے زیور رکھ دیں تو تمہاری بیوی سب کی نظر بچاکر فوراً ہار یا کوئی زیور چونچ میں دبا کر اُڑ جائے اور تم اُس کے پیچھے پیچھے کائیں کائیں کرتے ہوئے اُڑنا۔ اس وقت خوب زور زور کائیں کائیں کرنا۔ تمہاری کائیں کائیں سُن کر شہزادیوں کے نوکر تمہیں زیور لے جاتے ہوئے دیکھ لیں گے۔ پھر وہ تمہارا پیچھا کریں گے۔ تم وہاں سے اُڑکر سیدھے کالے سانپ کے بِل پر پہنچنا اور اس زیور کو سانپ کے بِل میں گِرا کر اُڑ جانا۔ پھر دیکھنا کیا ہوتا ہے۔"

کوّے نے لومڑی خالا کی بتائی ہوئی ترکیب مان لی۔

اگلے دن سویرے کوّا اور اس کی بیوی ندی کنارے پہنچ گئے۔ تھوڑی دیر میں وہاں شہزادیاں نہانے آئیں۔ اُن کے ساتھ ان کے نوکر اور نوکرانیاں بھی تھیں۔ شہزادیوں نے اپنے زیور اور کپڑے اُتار کر کنارے پر رکھ دیئے اور ندی میں نہانے کے لئے اُتریں۔

کوّا اور اس کی بیوی دور سے دیکھ رہے تھے۔ ان کے زیوروں میں ایک ہار بھی تھا. کوّے کی بیوی نے بڑی پھُرتی کے ساتھ ہار اُٹھایا اور لے کر اُڑ گئی۔ کوّا اس کے پیچھے پیچھے کائیں کائیں کرتا ہوا اُڑا۔

نوکروں نے کوّے کی بیوی کو ہار اُٹھاتے ہوئے دیکھ لیا۔ انہوں نے خوب شور مچایا



اور کوّوں کے پیچھے پیچھے بھاگے۔ کوّے کی بیوی نے وہ ہار سانپ کے بِل میں گرادیا اور اُڑگئی۔
نوکروں نے کوّے کی بیوی کو بِل میں ہار گِراتے دیکھ لیا۔ وہ لگے اپنے ڈنڈوں سے بِل
کُریدنے ۔ سانپ کو یہ چھیڑ چھاڑ اچھی نہیں لگی ۔ اس کو بہت غصّہ آیا ۔ وہ جھٹ بل سے باہر





نکل آیا اور اپنے پھن نکال کر اُن پر دوڑا۔ نوکروں
نے جو سانپ کو دیکھا تو گھیر لیا اور لاٹھیوں سے
اُس کو پیٹ پیٹ کر مار ڈالا اور وہ ہار لے کر چلے گئے۔



کوّا اور اس کی بیوی پیڑ پر بیٹھے بیٹھے یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ سانپ کے مرنے پر وہ بہت خوش ہوئے اور انہوں نے اطمینان کا سانس لیا۔

کوّا اور اس کی بیوی اپنے گھر میں ہنسی خوشی رہنے لگے اور ہمیشہ لومڑی کے شکر گذار رہے۔



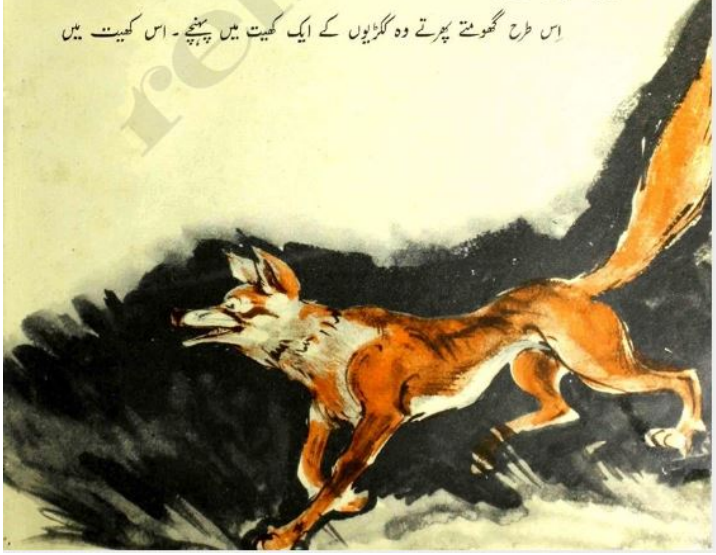
گوّیا گدھا



ایک دھوبی کے پاس ایک بوڑھا، مریل سا گدھا تھا۔ اس گدھے کو روزانہ سویرے سویرے میلے کپڑوں کی گٹھری لے کر گھاٹ جانا پڑتا تھا اور پھر وہ دُھلے ہوئے کپڑوں کو گھاٹ سے لے کر آتا۔ دھوبی اُسے کھانے پینے کو کچھ نہ دیتا۔ بس اُسے کھول دیتا اور گدھا اِدھر اُدھر چرنے کے لئے مارا مارا پھرتا تھا۔

ایک دن جب وہ چر رہا تھا تو اُسے ایک گیدڑ ملا۔ دونوں اکیلے تھے۔ اس لئے ذرا سی دیر میں دونوں دوست بن گئے۔ اب یہ دونوں دوست کھانے کی تلاش میں ساتھ ساتھ گھومنے لگے۔

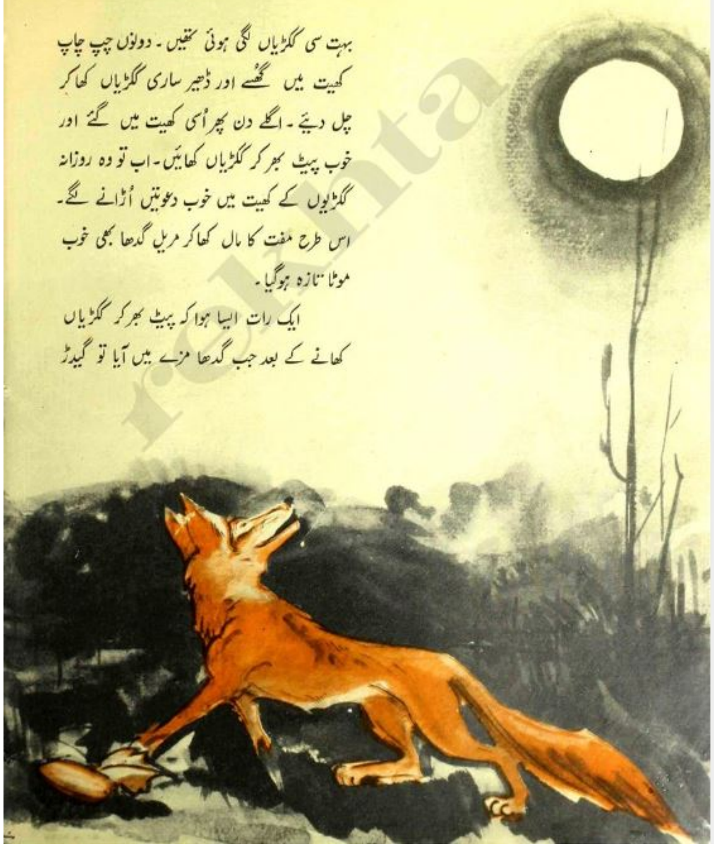
اِس طرح گھومتے پھرتے وہ ککڑیوں کے ایک کھیت میں پہنچے۔ اس کھیت میں

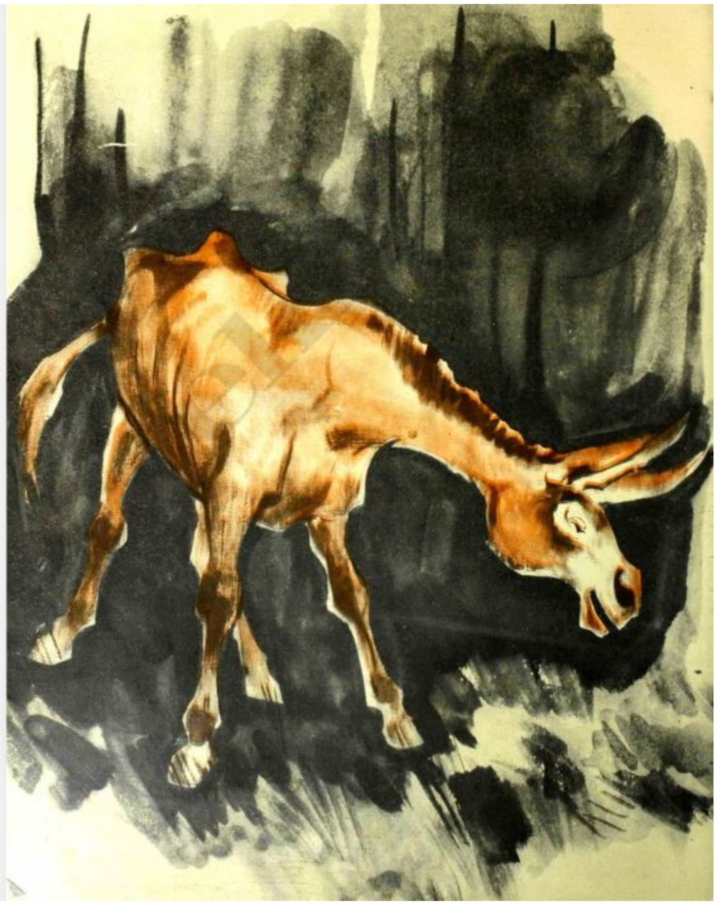




بہت سی ککڑیاں لگی ہوئی تھیں۔ دونوں چپ چاپ کھیت میں گھسے اور ڈھیر ساری ککڑیاں کھاکر چل دیئے۔ اگلے دن پھر اُسی کھیت میں گئے اور خوب پیٹ بھر کر ککڑیاں کھائیں۔ اب تو وہ روزانہ ککڑیوں کے کھیت میں خوب دعوتیں اُڑانے لگے۔ اس طرح مفت کا مال کھاکر مریل گدھا بھی خوب موٹا تازہ ہوگیا۔

ایک رات ایسا ہوا کہ پیٹ بھر کر ککڑیاں کھانے کے بعد جب گدھا مزے میں آیا تو گیدڑ





سے بولا۔" پیارے دوست، دیکھو، آسمان کی طرف دیکھو۔ وہ چاند چمک رہا ہے۔ کیسی مزے کی ہوا چل رہی ہے اور کیسی سُہانی رات ہے۔ میرا تو جی چاہ رہا ہے کہ اس وقت گانا گاؤں۔"

"ارے باپ رے۔ کہیں ایسا غضب بھی نہ کرنا کہ سچ مچ ہی گانے لگو۔ اگر کھیت کے رکھوالے نے سُن لیا تو بیٹھے بٹھائے آفت آجائے گی۔ ہم یہاں چوری کر رہے ہیں اور چور اپنا کام چُپ چاپ کرتے ہیں۔"



"تم بھی کیا بات کرتے ہو۔" گدھے نے کہا۔" اتنا پیارا موسم ہے کہ مجھ سے تو رہا نہیں جاتا۔ میں تو ایک مزیدار گانا گاکر ہی رہوں گا۔"

"نہیں یار نہیں۔" گیدڑ نے کہا۔" تم اپنا مُنھ بند ہی رکھو تو اچھا ہے۔ پھر ایک بات یہ بھی تو ہے کہ تمہاری آواز بھی سُریلی نہیں ہے۔"

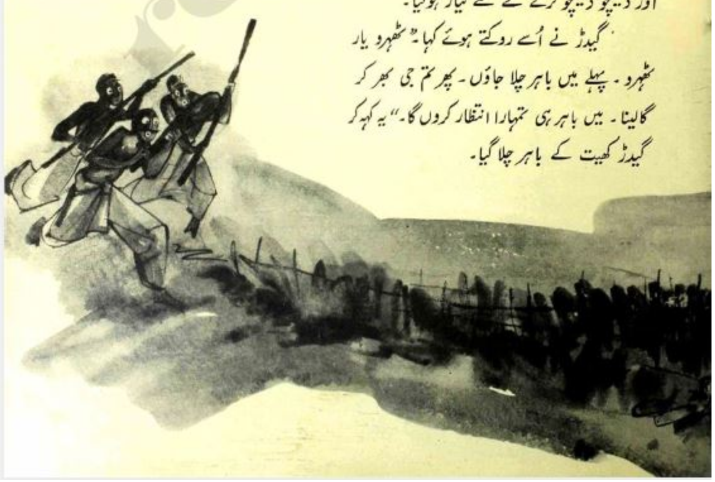


"تم مجھ سے جلتے ہو۔" گدھا بولا۔ "تم کو نہ سُر کا پتہ نہ تال کا، سنگیت کے مزے سے تم کو کیا مطلب۔"

"یہ تو خیر ٹھیک ہے دوست۔" گیدڑ نے کہا۔ "لیکن یہ بات بھی ہے کہ سنگیت کا لطف تم کو چاہے کتنا ہی آئے، لیکن کھیت کے رکھوالوں کو نہیں آئے گا۔ وہ تو تمہارا گانا سُن کر فوراً یہاں آ دھمکیں گے اور تم کو ایسا انعام دیں گے کہ برسوں یاد رکھوگے۔ اسی لئے کہتا ہوں کہ میری بات مان لو اور گانے کا خیال چھوڑ دو۔"

"تم بیوقوف ہو نرے بیوقوف۔" گدھے نے کہا۔ "تم سمجھتے ہو کہ میں گا نا نہیں گا سکتا۔ لو سنو، میری آواز کتنی سُریلی اور میٹھی ہے۔" یہ کہہ کر گدھے نے سر اوپر اٹھایا اور ڈھینچو ڈھینچو کرنے کے لئے تیار ہوگیا۔

گیدڑ نے اُسے روکتے ہوئے کہا۔ "ٹھہرو یار ٹھہرو۔ پہلے میں باہر چلا جاؤں۔ پھر تم جی بھر کر گا لینا۔ میں باہر ہی تمہارا انتظار کروں گا۔" یہ کہہ کر گیدڑ کھیت کے باہر چلا گیا۔



گیدڑ کے جاتے ہی گدھے نے اونچے سُروں میں اپنا گانا شروع کر دیا۔ اس کے اس طرح ڈھینچو ڈھینچو کرنے کی آواز دور دور تک سنائی دی۔ رکھوالوں نے جیسے ہی گدھے کی آواز سُنی، ویسے ہی اپنے موٹے ڈنڈے لے کر کھیت کی طرف دوڑے۔ گدھا بڑے اطمینان سے ڈھینچو ڈھینچو کر رہا تھا کہ اس کے اوپر ذرا سی دیر میں ڈنڈے پڑنے لگے۔ رکھوالوں نے گدھے کو اتنا مارا اتنا مارا کہ وہ مار کھاتے کھاتے زمین پر لیٹ گیا۔ اس کے بعد انہوں نے گدھے کے گلے میں ایک بھاری توبڑا باندھ دیا اور چلے گئے۔

بہت دیر کے بعد گدھے کو ہوش آیا تو بڑی مشکل سے توبڑے کو گھسیٹتا ہوا کھیت سے باہر نکلا۔



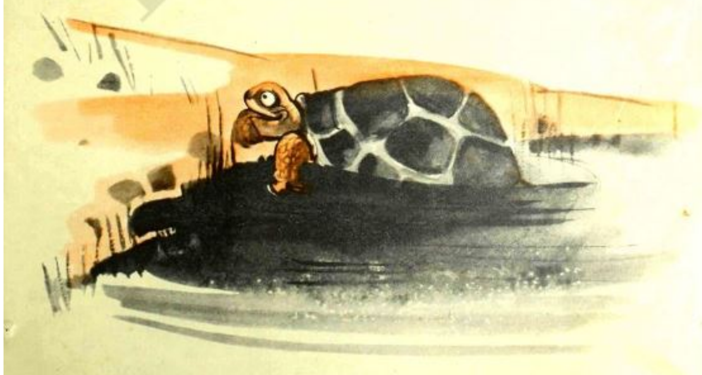
گیدڑ کھیت کے باہر کھڑا ہوا گدھے کا انتظار کر رہا تھا۔ بے چارہ گدھا آہستہ آہستہ گھسٹتا، کراہتا گیدڑ کے پاس پہنچا۔

اسے دیکھتے ہی گیدڑ بولا۔" واہ یار واہ۔ رکھوالے نے تمہارے گانے سے خوش ہوکر یہ اچھا سا باجا انعام کے طور پر دیا ہے۔ مبارک ہو بھائی مبارک۔"

" اب زیادہ شرمندہ نہ کرو۔ مجھے خود تمہاری رائے نہ ماننے کا بہت افسوس ہے۔" ●



باتونی کچھوا







ایک بڑے سے تالاب میں ایک کچھوا رہتا تھا۔ اس کی دوستی دو بگلوں سے تھی۔ وہ تینوں روزانہ دیر تک آپس میں خوب باتیں کرتے تھے۔

ایک بار وہاں سوکھا پڑگیا۔ بالکل بارش نہیں ہوئی۔ سارے تالاب سوکھنے لگے۔ تمام آدمی اور جانور بھوکے پیاسے مرنے لگے۔ چڑیاں اپنی جان بچانے کے لئے پانی کی کھوج میں وہاں سے بھاگنے لگیں۔ آخر دونوں بگلوں نے بھی فیصلہ کیا کہ کسی ایسی جگہ چلے جائیں جہاں پر پانی کی کمی نہ ہو۔

جب وہ جانے لگے تو انہوں نے سوچا کہ اپنے دوست کچھوے سے بھی چلتے وقت آخری بار مِل لیں۔ جب کچھوے نے سُنا کہ اس کے دوست بگلے جا رہے ہیں، تو اُن سے کہنے لگا۔" مجھے مرنے کے لئے یہاں اکیلا کیوں چھوڑے جا رہے ہو۔ مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلو۔"

بگلوں نے کہا۔" دوست ہم تو خود تمہارا ساتھ نہیں چھوڑنا چاہتے۔ لیکن کیا کیا جائے۔ ہم تو اُڑ کر کہیں بھی جاسکتے ہیں لیکن تم کیسے چلوگے؟"

کچھوے نے کہا" یہ سچ ہے کہ میں تمہاری طرح اُڑ نہیں سکتا۔ لیکن اگر تم مجھ کو اپنے ساتھ لے چلنے کے لئے تیار ہو تو میں تم کو ایک ترکیب بتاؤں۔"

بگلوں نے کہا" ہاں ہاں، ہم تم کو اپنے ساتھ خود لے جانا چاہتے ہیں۔"

کچھوے نے کہا" تو پھر تم ایک مضبوط لکڑی لے آؤ۔ اس کے دونوں سروں کو

تم دونوں اپنی اپنی چونچ سے پکڑ لینا۔ میں لکڑی کو بیچوں بیچ مضبوطی سے پکڑ کر لٹک جاؤں گا۔ اس طرح تم مجھے اپنے ساتھ اُڑا لے چلنا۔"

بگلوں کو یہ ترکیب بہت پسند آئی۔ وہ وہیں سے ایک مضبوط لکڑی لے آئے۔



بگلوں نے کہا۔" ہم تمہیں لے تو چلتے ہیں لیکن تم وعدہ کرو کہ اپنا منھ نہیں کھولوگے۔ تم ٹھہرے باتونی۔ بغیر بولے تم سے نہیں رہا جاتا۔ اگر بھولے سے بھی تم





نے مُنھ کھولا تو بس نیچے گِر جاؤگے اور پھر تمہارا نام و نشان بھی نہ ملے گا۔" کچھوے نے وعدہ کیا کہ وہ ایک لفظ بھی نہ بولے گا۔

اب لکڑی کے دونوں کناروں کو بگلوں نے اپنی اپنی چونچ میں دبایا۔ کچھوا لکڑی کو مُنھ میں پکڑ کر بیچ میں لٹک گیا۔ بگلے لکڑی کو کچھوے سمیت لے اُڑے۔ وہ اونچے اُڑتے گئے، کھیتوں، میدانوں اور پہاڑیوں کو پار کرتے ہوئے وہ ایک شہر کے اوپر پہنچے۔ انہیں دیکھنے کے لئے سڑکوں پر بھیڑ جمع ہوگئی۔ لوگوں نے اس سے پہلے ایسا تماشا

نہیں دیکھا تھا۔ وہ لگے ہنسے اور تالیاں بجابجا کر شور مچانے ۔" دیکھو ۔ دیکھو ۔ دو بگلے کچھوے کو کیسے اُڑائے لئے جارہے ہیں ۔"

کچھوے نے جو لوگوں کو اس طرح ہنستے دیکھا تو اسے بڑا غصہ آیا ۔ اس سے بولے بغیر نہ رہا گیا۔ اس نے کچھ کہنے کے لئے منھ کھولا ہی تھا کہ لکڑی چھوٹ گئی اور وہ دھڑام سے نیچے آکر گرا اور اس کی ہڈی پسلی چکنا چور ہو گئی۔ ●